مہموں اور غلطیوں پر ایک بار پھر نظر ڈال کر رفع کر لیں۔ کیونکہ اس خشک موضوع پر کی جانے والی بحثیں بھی اگر کسی گوشے میں ناقص یا تشنہ رہ جائیں تو کتاب کی مقبولیت پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔

جدید تاجیکی شعراء | مؤلفہ: جناب کبیر احمد جائسی، ادارۂ علومِ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ۔ صفحات: ۲۰۴۔ قیمت درج نہیں۔

اِس کتاب میں تاجیک شعراء میں سے اُن چھ صاحبان کا اجمالی تعارف اور بہت مختصر نمونہ ہائے کلام ہمارے سامنے آتے ہیں جن کی عمریں انقلابِ رُوس (۱۹۱۷ء) کے وقت دس گیارہ سال سے بھی کم تھیں، اور انہوں نے اشتراکی انقلاب کو ذہناً و قلباً قبول کر لیا تھا۔

کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ قدیم تذکرہ نگاری اور جدید تاریخ نویسی کے بین بین کی چیز ہے، تذکرہ نگار شعراء کی ترتیبِ زمانی کے بجائے ان کے تخلص کے حروف کی ترتیبِ تہجّی ملحوظ رکھتے تھے۔ اور چند سطروں میں شاعر کا تعارف کرا کر اس کے اِکّا دُکّا شعر بطور نمونہ نقل کر دیتے تھے۔ ان کے برخلاف، تاریخِ شعر مختلف اَدوار میں منقسم ہوتی ہے اور ہر دَور کے نمایاں شعراء کا تفصیلی تعارف نیز ان کے کلام پر تبصرہ بھی اس میں ہوتا ہے اور آخر میں ہر شاعر کے کلام کا معتدبہ حصّہ، جس سے اس کی خصوصیاتِ شعری واضح ہوں، نقل کر دیا جاتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر اتنے محتاط انداز میں کہ خود مؤلف کا میلانِ طبع ظاہر نہ ہونے پائے۔ یعنی ہر شاعر کے مختصر حالات کے ساتھ ساتھ اس کے نمونہ ہائے کلام، بلکہ ان کی تشریح بھی ایسے انداز میں کی گئی ہے کہ شاعر کے نقطۂ نظر (اشتراکیت) سے اتفاق یا اختلاف کرنے کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتلاتے چلے گئے کہ اس شاعر کی دوسری (اور نسبتاً اعلیٰ درجے کی) نظمیں یا غزلیں دست یاب نہ ہو سکیں۔ یہ "وضعِ احتیاط" جس سے مؤلف کا "رُکنے لگا ہے دم"

خود ہی قابلِ لحاظ ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مؤلف اب کھُل کر اشتراکیت کی مدح کرنے سے قاصر ہے، کیونکہ وہ نظریہ اپنے ہی وطن میں شکست و ریخت کا شکار ہو چکا ہے۔ اس کے برعکس جب ہم موصوف کی وابستگی علی گڑھ جیسے مسلم ادارۂ فکر و نظر اور اس میں بھی "ادارۂ علوم اسلامیہ" سے پاتے ہیں تو ہمیں توقع ہوتی ہے کہ فاضل مؤلف بے محابا اسلام کی "مدلّل مداحی" کریں۔ مگر افسوس ہے کہ یہی توقع پوری کتاب میں پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا ان چھ[6] شعرا کا اردو دانوں سے تعارف صرف اس بنا پر کرایا گیا ہے کہ وہ مُسلم گھرانوں میں پیدا ہوئے، اور ان کے نام مسلمانوں جیسے ہیں؟ کیونکہ جہاں تک ان نظموں اور غزلوں کا تعلق ہے جو کتاب میں جمع کی گئی ہیں وہ خاصی عامیانہ ہیں۔ ان میں تخیل تو ایک طرف، کوئی اچھی فنی لطافت بھی بمشکل ہی ملتی ہے۔ نیز، زبان کا بھی کوئی لطف نہیں۔ مثال کے طور پر ایک مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎ (مُلخصًا)

سال ہائے کہ من جواں بودم   پس خبر از گپِ جہاں بودم

وقتِ من صرفِ بیقراری بود   خاک بازی و خر سواری بود

پدرم خواب کردہ در خانہ   کیم۔ چہ می گفت مثل دیوانہ

مادرم بود تیرہ و (؟) کرخت   مثلِ بے برگ و بار شاخِ درخت

خانۂ مان بود (؟) در حصارِ قدیم   در حصارِ خرابۂ پُر بیم

آتش و خوں بہ دھر بود حاکم (؟)   حاکمِ کشورِ جہانِ قدیم

خلقِ شوریدہ چوں ظفر بنمود   زندگانی تازہ امی سر شود (رفتہ؟)

(وادی حصار از ترسون زادہ)

ایک اور ہم عصر کی غزلِ مسلسل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

می کشد ہر لحظہ سوی خویش، دل را حُسنِ تو | بہر دل دارد ہمیشہ جنگ با ما حُسنِ تو
زور بازوی تزا او کتابچوں بیدار کرد | شہرتِ مردانگی بنمود پیدا حُسنِ تو
با ہمہ بس آب و رنگی، با ہمہ آں سادگی | درمیانِ حُسنیاں زیبا و یکتا حُسنِ تو

(حبیب یوسفی سمرقندی)

ایک اور شاعر کا ایک ترجیع بند کا ایک بند بھی دیکھیے ؎

لشکرِ سرخ است چوں دیوارِ آہن در برت
چوں گہ موف قہرمانی ہست در ہر یک درت
کی دہد رہ، کہ رسد دستِ خیانت بر سرت؟

مادرِ مشفق توئی بر نسلِ زحمت، ای وطن
میرہم در حفظِ تو، گر لازم آید، جان و تن

("بمادرِ وطن" از عبد السلام دہاتی)

جناب جالسی کی یہ کوشش ہمیں اُن "ترقی پسند مصنفین" کی یاد دلاتی ہے جنہوں نے ایک باقاعدہ پروگرام اور منصوبے کے تحت ایک دوسرے کو مضامین اور کتابچوں کے ذریعے اُردو دان پبلک میں متعارف کرانے کی مہم چلائی تھی، اور ہر ادیب یا شاعر کو اتنا اُچھالا تھا کہ گویا معروف اور مسلّم اساتذۂ نظم و نثر بھی ان نوخیز اہلِ قلم کے سامنے طفلِ مکتب ثابت کیے جا رہے تھے۔ اب نصف صدی بعد غالباً یہ مہم شروع کی جا چکی ہے، اور ہمیں دُور اُفتادہ تاجیکی شعراء سے اس طرح واقف کرایا جا رہا ہے کہ گویا تاریخِ ادب میں ان حضرات کی ناموجودگی ایک نقصان تھا، جس کی تلافی ضروری ہے۔ ان شعراء کی کاوشوں کی ایک جھلک آپ اُوپر دیکھ چکے۔ فارسی ادبیات کا جو ذوق برِصغیر میں (جتنا اور جیسا بھی ہے) اس کے پیشِ نظر اگر یہ تاجیکی شعراء بھی یہاں قبولیت حاصل کر سکیں تو یقیناً یہ ایک حیرت ناک امر ہو گا۔

البتہ اس تالیف سے ایک مفید بات یہ ضرور برآمد ہوئی ہے کہ ہمیں فارسی زبان